شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ رحیمیہ لاہور

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

زیر سرپرستی: حضرت اقدس مولانا
شاہ سعید احمد رائے پوری
دامت برکاتہم العالیہ
مسند نشین سلسلہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مارچ 2012ء / ربیع الثانی 1433ھ - جلد نمبر 4، شمارہ نمبر 3 - قیمت فی شمارہ: مبلغ 15 روپے - سالانہ ممبرشپ: مبلغ 180 روپے - تین سالہ ممبرشپ: مبلغ 400 روپے

حضرت اقدس مولانا

ارشادِ گرامی شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ

مسند نشین ثانی خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

حضرت والا نے بڑے افسوس کے ساتھ فرمایا:

"نواکھالی، صوبہ بنگال کے واقعاتِ فساد میں بچوں اور عورتوں کا اغوا اور عصمت دری، جس کے متعلق اخباروں میں تذکرہ ہے اور جبراً مسلمان بنانے کے واقعات، اسلام کو بدنام کرنے اور مذہب کی بدنامی کے علاوہ ویسے بھی انسانی زاویۂ نگاہ سے شدید ترین برائی ہے۔

اس سوال پر کہ جبراً کسی کو کلمہ پڑھانے سے کوئی مسلمان ہوجاتا ہے؟ حضرتِ والا نے فرمایا: "یوں جبر سے کلمہ پڑھا دینے سے شرعاً کوئی مسلمان نہیں بنتا۔ جب شرعاً اس فعل کا کوئی فائدہ نہیں تو پھر یہ اشد (بڑا) جرم دین کو بدنام کرنے کے سوا اور کسی فائدے کو کیا شامل ہوسکتا ہے۔ ہر بات میں پروپیگنڈا کہہ کر پردہ ڈالنا بے معنی ہے۔ آخر سہارنپور میں جب فساد کے موقع پر ایسے واقعات ہوئے، جن کا ہمیں پورا پورا علم ہے، کیا وہ بھی پروپیگنڈا تھا۔ یہ تو مسلمان کی جہالت کے کرشے ہیں۔ حضرت مدنی پر امرتسر، جالندھر میں جو حملہ ہوا، اس سے بھی میں تو اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہر جگہ کا ڈپٹی کمشنر اور اس کا کپتان پولیس فساد کراتا ہے۔ تبھی تو پولیس نے حملے کو نہیں روکا۔ بلکہ لوگوں کو ایسے واقعات کے لیے شہ دے دیتے ہیں۔ اگر پولیس چاہے تو فساد نہیں ہوسکتا، مگر وہ خود شامل ہوجاتی ہے۔ پھر کوئی پولیس افسر آ کر اگر تحقیق کرتا ہے تو وہ پہلی پولیس کی حمایت ہی کرتا ہے۔"

(مجلس 30/ذی الحج 1365ھ/ 26/اکتوبر 1946، بروز ہفتہ۔ مقام: رائے پور)
(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص:78۔ طبع: مکتبہ رشیدیہ، لاہور)

مجلس ادارت

صدرِ مجلس: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
مدیرِ اعلیٰ: مفتی عبدالخالق آزاد
مدیر: محمد عباس شاد

درسِ قرآن
اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کی اہمیت

درسِ حدیث
اللہ تعالیٰ کا سیدھا اور سچا راستہ

اداریہ
جمہوریت کے نام پر غیر جمہوری نظام!

خطبہ جمعۃ المبارک
دینی اجتماعات کے حوالے سے ہماری ذمہ داریاں

توجہ طلب
جنوبی سوڈان؛ افریقا کی پہلی عیسائی ریاست

رفتارِ کار
مُبارک اردو لائبریری محمد آباد، صادق آباد کا دورہ

دینی مسائل
دینی حوالے سے آپ کے سوالات کے جوابات

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)
رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org

کراچی کیمپس
رحیمیہ ہاؤس 9/A، سینٹر پوائنٹ سوسائٹی، بلاک نمبر 21
راشد منہاس روڈ، فیڈرل بی ایریا، کراچی
0092-21-36321616,36320707

راولپنڈی کیمپس
رحیمیہ ہاؤس، N.A-7، سیوہیتھ روڈ
سیٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی
0321-5181875,5181929

ملتان کیمپس
رحیمیہ ہاؤس 30/A، سٹریٹ نمبر 2، خان کالونی
چونگی نمبر 7، ایل ایم کیو روڈ، ملتان
0092-61-6212021

سکھر کیمپس
فلیٹ نمبر 111، 1st فلور، رائل اپارٹمنٹ
ریس کورس روڈ، سکھر
0092-71-5615185

اداریہ

جمہوریت کے نام پر غیر جمہوری نظام!

ممالک اور اقوام اپنی قومی جمہوری اقدار کی روشنی میں اپنا نظامِ حکومت قائم کرتے اور ترقی کی منازل طے کرتے ہیں۔ قومیں اپنی اجتماعی طاقت کے ذریعے سے قومی جمہوری اقدار کا تحفظ کرتی ہیں۔ اس کی اساس پر آئین و قانون تشکیل دیتی اور عملی نظام بناتی ہیں۔ مسلمان اکثریتی ملک میں قومی جمہوری اقدار، دین اسلام کی اخلاقیات اور تعلیمات پر مبنی ہوتی ہیں۔ جمہور مسلمانوں کی زندگی کا قومی تقاضا ہے کہ وہ جس دین پر ایمان رکھتے ہیں، اس کی طے کردہ اقدار کا نظام قومی اور بین الاقوامی سطح پر قائم کریں۔ اگر ایسا نہ ہو تو پورے طور پر اسلام کو ماننے اور اس پر ایمان رکھنے کا کوئی معنی نہیں۔ انسانی معاشرے کی تشکیل کے لیے اسلام کی اساسی اقدار کیا ہیں، ان اقدار پر آئین و قانون کی نوعیت کیسی ہے، اس آئین و قانون کے مطابق پالیسیز کیا ہیں، اور ان پر عمل درآمد کے پروسیجرز کیا ہیں۔ یہ وہ اساسی امور ہیں، جو ایک مسلمان معاشرے میں بسنے والے افراد کے لیے دینی حوالے سے شعوری طور پر جاننا ضروری ہیں۔ نہ صرف یہ، بلکہ قومی جمہوری طریقۂ کار کے مطابق ان امور پر عملی نظام قائم کیا جانا، اُن کی قومی شناخت کا حصہ اور ان کی اجتماعیت کا جمہوری تقاضا ہوتا ہے۔ دین اسلام کے نظریۂ فکر و عمل کو ماننے والی جماعت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے دین کی اقدار کو معاشرے میں غالب کرنے کے لیے قومی جمہوری بنیادوں پر علمی، فکری اور عملی جدوجہد کرے۔

پاکستان مسلمانوں کا اکثریتی ملک ہے، لیکن یہاں برطانوی سامراج کے نوآبادیاتی دور سے ''جمہوریت'' کے نام پر غیر جمہوری نظام مسلط ہے۔ جمہور عوام کی خیر خواہی کے نام پر جمہوریت اور اسلام کا لفظی پراپیگنڈا تو بہت ہے، لیکن دینی حوالے سے قومی جمہوری تقاضوں کو کبھی پیش نظر نہیں رکھا گیا۔ دراصل ہمارے ہاں جو نظام قائم ہے، اس کا پاکستان میں بسنے والے جمہور عوام سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ یہ ایک مخصوص مفاد پرست طبقے کا طبقاتی جمہوری نظام ہے۔ اس نظام میں اس خطے کے غدار، مراعات یافتہ بیوروکریٹ، جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کا تسلط ہے۔ وہی لوگ چہرے بدل بدل کر جمہوریت کا لبادہ اوڑھتے اور ملک و قوم کی گردنوں پر مسلط ہو جاتے ہیں۔ انھیں کے بہن بھائی، رشتہ دار، عزیز و اقارب جمہوریت کے نام پر ملک کے مختلف شعبوں پر سانپ بن کر بیٹھ جاتے ہیں اور قوم کا خون چوسنے لگتے ہیں۔ اس عوام دشمن طبقاتی نظام نے ''جمہوریت'' کے نام پر حقیقی قومی جمہوری تقاضوں کا مذاق اڑایا ہے۔

جمہوریت کا لازمی تقاضا ہوتا ہے کہ جمہور عوام کے اختیار کردہ مسلمہ نظریے، فکر اور اقدار کا تحفظ کیا جائے، لیکن پاکستان پر مسلط نظام کے نمائندے جمہور مسلمانوں کے اپنائے ہوئے دین اسلام کے بنیادی نظریے اور اقدار کے دشمن ہیں۔ جمہوریت میں اجتماعی حوالے سے کام کرنے کا ادارہ جاتی نظام وضع کیا جاتا ہے۔ یہاں کے مقتدر طبقات متکبرانہ ذہنیت کے سبب، اول تو ادارہ جاتی نظام کے ہی دشمن ہیں۔ اور اگر انھیں دکھاوے کے طور پر ادارے بنانے پڑ جائیں تو اپنے ذاتی مفادات کے لیے انھیں شخصی اور طبقاتی مفادات کے ٹکراؤ کا اکھاڑا بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ جمہوریت میں قومی سطح کے جماعتی نظام کے تحت اجتماعی فیصلوں کا طریقۂ کار اپنایا جاتا ہے، لیکن یہ لوگ اول تو ذاتی انانیت کی وجہ سے کسی جماعتی حیثیت کو تسلیم نہیں کرتے اور اگر کسی طرح کی ''پارٹی'' بناتے بھی ہیں، تو انھیں خاندانی لمیٹڈ کمپنیوں کی طرح چلاتے ہیں۔

جمہوریت میں سوسائٹی کے تمام بالغ اور ذمہ دار افراد کی رائے کا احترام کیا جاتا ہے۔ اس حوالے سے اگر دیکھا جائے تو ہمارے ہاں اول تو جعلی ووٹ بنانے اور انھیں اپنے مفادات کے لیے بھگتانے کا کاروبار عروج پر ہوتا ہے۔ اس وجہ سے صحیح عوامی رائے کا سامنے آنا محال ہوتا ہے۔ اور اگر عوامی رائے کسی ذریعے سے معلوم بھی ہو جائے تو عوامی اور جمہوری رائے کے مطابق کام کرنے میں ایسی رکاوٹیں کھڑی کی جاتی ہیں، جس سے عوامی رائے کا حقیقی مقصد فوت ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس طرح کے غیر جمہوری اور غیر قومی رویوں سے ان کے طبقاتی مفادات کی بڑی خوبی کے ساتھ عکاسی ہوتی ہے۔

جمہوریت کے تحت ادارہ جاتی بنیاد پر نظام قائم کر کے قومی تقاضوں کے مطابق کام کیا جاتا ہے۔ یہاں کے مقتدر طبقات شخصی اور طبقاتی تسلط کے ذریعے قومی مفادات کی بجائے غیر ملکی سامراجی مفادات کے لیے کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ لوگ سیاسی، معاشی اور سماجی حوالے سے ایسی پالیسیاں بناتے ہیں، جس کا ملکی مفادات کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ایسے مفاد پرست لوگوں نے ہماری اجتماعی زندگی کو کچھ اس طرح تباہ کر کے رکھ دیا ہے کہ ملک مسلسل سیاسی، معاشی اور سماجی زوال کی انتہائی گہرائیوں میں گرتا جا رہا ہے۔ اس کے نتیجے میں ہم قومی جمہوری شناخت سے محروم ہوتے جا رہے ہیں اور بحیثیتِ مجموعی زوال کا شکار ہیں۔ ہمارے ملک میں جمہوریت کا راگ بہت زیادہ الاپا جاتا ہے۔ ملکی لیڈر اٹھتے بیٹھتے جمہوریت کے گن گاتے ہیں۔ جب کہ ہمارا آئین و قانون جمہوری بنیادوں پر ہماری دینی اقدار و اخلاقیات سے پوری طرح ہم آہنگ نہیں ہے۔ ہمارا ملکی نظام دینی حوالے سے قومی جمہوری تقاضوں سے متصادم ہے۔ معاشی پالیسیاں بھوک و افلاس اور غربت کو جنم دے رہی ہیں۔ طبقاتی استحصال کا دائرہ بڑھتا جا رہا ہے، جو دینی تعلیمات کے منافی ہے۔ حکمران سیاسی طبقات کی بے اعتدالیوں کی وجہ سے ہمارے ملک میں کیے جانے والے سیاسی اقدامات بے سمتی اور بے راہ روی کا شکار ہیں۔ مجموعی طور پر سماجی اقدار زوال پذیر ہیں۔ اس طرح ''جمہوریت'' کے نام پر غیر جمہوری نظام کی وجہ سے ہمارا سیاسی، معاشی اور سماجی ڈھانچہ بُری طرح تباہ ہو چکا ہے۔

اس ماحول میں ضرورت اس بات کی ہے کہ ملک پر مسلط نوآبادیاتی دور کے قائم کردہ اس نام نہاد جمہوری نظام سے برأت کا اظہار کیا جائے۔ جمہوریت کے نام پر غیر جمہوری ٹولے کا راستہ روکا جائے۔ مراعات یافتہ جاگیردار اور سرمایہ دار طبقات کے غیر جمہوری رویوں کا تنقیدی جائزہ لیا جائے۔ قومی سطح پر اپنی اجتماعی طاقت اکٹھا کر کے جمہور عوام کے مفادات کے تحفظ کے لیے اس نوآبادیاتی دور کے غیر جمہوری اور جھوٹے نظام کو اٹھا کر باہر پھینک دیا جائے۔ آج ہماری سوسائٹی کا بنیادی تقاضا ایک ہمہ گیر سماجی تبدیلی پیدا کرنے کا ہے۔ ایک ایسی تبدیلی، جو نوآبادیاتی دور کے گلے سڑے فرسودہ نظام سے چھٹکارا دے کر دین اسلام کی تعلیمات کے مطابق اس خطے میں بسنے والے انسانوں کے مسائل حل کرنے کا ذریعہ بنے۔

اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے قومی تقاضوں اور ملی اُمنگوں کے مطابق اپنی مسلمہ دینی اقدار کا حامل، بہتر جمہوری نظام تشکیل دینے کے لیے شعوری جدوجہد کا راستہ اختیار کیا جائے۔ طبقاتی آمریت اور شخصی تسلط سوسائٹی کے لیے انتہائی مہلک ہے۔ آج حقیقی قومی جمہوری تقاضے، ہر باشعور انسان کے دل کی آواز ہیں۔ انھیں پورا کیے بغیر سوسائٹی کا مثبت سمت میں ارتقا ممکن نہیں ہے۔ اس کے لیے ہمیں اپنے ماحول کا شعوری طور پر جائزہ لے کر اجتماعی سطح پر بڑی جان دار کوشش کرنی چاہیے۔ ہماری سب سے بڑی ضرورت ہمہ گیر سماجی تبدیلی کی جدوجہد ہے۔ دینی اقدار پر قائم قومی جمہوری نظام ہی اجتماعی کامیابی کا ضامن ہے۔

مدیر اعلیٰ

خطبہ جمعۃ المبارک

دینی اجتماعات کے حوالے سے ہماری ذمہ داریاں

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد صاحب

(مؤرخہ 20 رجنوری 2012ء بمقام ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ، لاہور) ضبط و تحریر: محمد طفیل

نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسولہ الکریم، امّا بعد: قال اللّٰہ تعالٰی:

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ (9:62)

صدق اللّٰہ مولانا العظیم.

معزز دوستو! جمعۃ المبارک کا اجتماع انسانی معاشرے میں اجتماعیت پیدا کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ دین اسلام دنیا کا ایسا واحد اور جامع دین ہے، جو انسانی معاشرے میں اجتماعیت کو سب سے زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ باقی ادیان میں تنہائی یا انفرادیت کو ترجیح دی جاتی ہے۔ دیگر مذاہب و افکار میں خاص طور پر عبادات کا انداز و اسلوب یکسوئی، تنہائی، خلوت کا ہے۔ لیکن دین اسلام واحد ایسا جامع دین ہے، جس میں عبادات میں بھی اجتماعیت کو بنیادی اہمیت دی گئی ہے۔ دین اسلام کی یہ تعلیمات اجتماعیت کے ذریعے سے سوسائٹی کے شہری حقوق، اجتماعی حقوق کا نظم و ضبط اور ڈسپلن پیدا کرنے کے لیے ہیں۔ دین اسلام انسانی معاشرے میں انسانوں کے مابین تعلقات کو اجتماعیت کے اصول پر قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے اس کی تمام عبادات، معاملات اور احکامات میں اجتماعیت کا پہلو غالب ہے۔ اجتماعیت کے تقاضوں کے مطابق افراد کی اجتماعی تعلیم و تربیت کا اہتمام، تمام دینی عبادات کا مطمحِ نظر ہے۔

انسان کو اپنے خدا کی عبادت کرنی ہے۔ خالق و مخلوق کے درمیان رشتہ ایسا ہے، جیسا کہ عاشق و معشوق کے درمیان ہوتا ہے۔ اس کائنات میں انسان کے دل کی چاہت کا مرکز، ذاتِ خداوندی ہونا چاہیے۔ یہ چاہت اور محبت تقاضا کرتی ہے کہ تنہائی میں اسے یاد کیا جائے۔ تنہائی میں یاد کرنا فرد کی ذاتی بقا اور اس کی ذاتی محبت کی علامت ہے، لیکن جب ایک بڑے اجتماع میں اللہ کی یاد پیدا کی جائے، اُس کا ذکر کیا جائے تو وہ اتنی بڑی ہی اجتماعی طاقت پیدا کرتا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ''بندہ جب مجھے یاد کرتا ہے تو میں اسے یاد کرتا ہوں۔ اور جس مجلس اور جس محفل میں وہ یاد کرتا ہے، میں اس سے بڑی محفل میں اس کا تذکرہ کرتا ہوں۔'' جتنا بڑا اجتماع ہوتا ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ اس سے بڑے اجتماع میں اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ گویا کہ اللہ کے ذکر اور یاد کی اجتماعی طاقت اتنا ہی زیادہ انسانیت کے لیے فائدہ مند ہے، جتنے بڑے اجتماع میں اسے کیا جائے۔

ایسا اجتماع فرد کی ترقی کے لیے لازمی ہے، فرد اپنی انفرادی حیثیت میں اجتماع کے بغیر کچھ بھی طاقت و قوت نہیں رکھتا۔ اس کی تمام تر طاقت و قوت اجتماع کے اندر مضمر ہے۔ اس تناظر میں اجتماعی طاقت بنانا اور سنوارنا اور اس حوالے سے افراد کی تعلیم و تربیت کرنا، دین اسلام کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔ امن اور سلامتی کے حوالے سے دین اسلام کی جامعیت اور کل انسانیت کے لیے اس کے فائدہ مند ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ یہ انسانی اجتماع کے فلاح و بہبود کی بات کرتا ہے۔ اس کی تعلیم و ترقی اور تربیت کی بات کرتا ہے۔ باقی ادیان و مذاہب افراد، اقوام، نسلوں یا مخصوص علاقائی گروہوں کے لیے انفرادی یا زیادہ سے زیادہ قومی ترقی چاہتے ہیں، لیکن دین اسلام اجتماعِ انسانی کے بین الاقوامی سطح تک کے تقاضوں کی تکمیل کرنا چاہتا ہے۔ افرادِ انسانی جتنے بڑے اجتماع میں اور جتنی بڑی اجتماعی طاقت میں ہوں، اُتنا ہی زیادہ دین اسلام اور انسانیت دوستی کے قوانین غالب کرنے کی جدوجہد اور کوشش کریں گے۔ اس اجتماع میں موجود افراد کے لیے اتنی ہی زیادہ دنیوی اور اُخروی ترقی ہے۔

اجتماعیت کی یہی اہمیت ہے کہ نبی اکرمؐ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ مسجد میں آ کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں۔ بلکہ جو آدمی جماعت میں شرکت نہیں کرتے، ان کے بارے میں آپؐ نے فرمایا کہ: ''میرا جی چاہتا ہے کہ نماز پڑھانے کے لیے کسی اور کو اپنی جگہ پر مقرر کر دوں اور آگ لے کر ایسے لوگوں کے گھروں کو جلا دوں، جو مسجد میں جماعت کی نماز کے لیے نہیں آتے۔ اگر مجھے ان کے بچوں اور عورتوں کا ڈر نہ ہوتا تو میں کبھی کا ان کے گھروں کو جلا دیتا۔'' یہ اس بات کی علامت ہے کہ کم از کم ہر خاندان کے ذمہ دار بالغ افراد کو مسجد کی اجتماع گاہ میں آنا ہے۔ مسجد اجتماعیت کی جگہ ہے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے 14 سو سالہ دور میں مساجد قائم کیں۔ یہ مساجد ایسی عبادت گاہیں ہیں، جنھوں نے محلے کی سطح سے لے کر قومی اور بین الاقوامی سطح تک انسانی اجتماعیت کی تعلیم و تربیت میں بنیادی کردار ادا کیا اور افراد سازی کی ہے۔ روزانہ محلے کی مسجد میں اگر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا تو جمعے کے دن کے بارے میں حکم جاری کر دیا گیا کہ اپنے اپنے محلے کی مسجدوں کو بند کر دو۔ تمام لوگ شہر کی جامع مسجد میں پہنچیں۔ اور شہر کا حاکم اور ذمہ دار فرد جمعہ کی نماز پڑھائے۔ اجتماعیت قائم کرنے کے لیے خطباتِ جمعہ رکھے گئے۔ اس کے لیے نماز مختصر کر دی گئی۔ ظہر کی چار رکعتوں کے بجائے اس روز دو رکعات پڑھنے کا حکم دیا گیا، لیکن یہ طے کر دیا گیا کہ جمعہ کے دن اجتماع گاہ میں آنا ضروری ہے۔ شہروں میں نمازِ جمعہ کا یہ اجتماع مسلمانوں کی اجتماعی تعلیم و تربیت کا ذریعہ بنتا ہے۔ اسی لیے مسجد اور اجتماع گاہ میں آنے کے لیے ہر مسلمان کو نظم و ضبط اور ڈسپلن کا پابند بنا دیا گیا۔ بتلا دیا گیا کہ جب مسجد میں جمع ہوں تو کوئی شور شرابا، فتنہ فساد، لڑائی، قتل و غارت گری کا عمل نہیں ہونا چاہیے۔ سب لوگ خاموشی کے ساتھ، نظم و ضبط اور ڈسپلن کے ساتھ صفوں میں قطار در قطار بیٹھیں اور سکون سے عبادت سرانجام دیں۔ وہ ایک بے ہنگم مجمع نہیں ہونا چاہیے کہ جس میں لوگ جیسے چاہیں، شور شرابا کریں، نعرے لگائیں، نہیں! وہ ایک قطار میں بیٹھیں۔ اسی صف بندی میں انھیں نماز باجماعت ادا کرنی ہے۔ خطبے میں اجتماعیت کے حوالے سے گفتگو ہونی چاہیے۔ لوگ اِسے خاموشی سے سنیں اور اس دوران آپس میں کوئی گفتگو نہ کریں۔ امام خطبہ دینے کے لیے آ جائے تو پابندی ہے کہ کوئی آدمی، کسی قسم کی کوئی گفتگو نہیں کرے گا۔ حتیٰ کہ اگر کوئی اس طرح کی حرکت کرے تو اس کو روکنے کے لیے بولنے سے بھی منع کر دیا گیا۔ اس لیے کہ اجتماعیت ایک ڈسپلن، نظم و ضبط کا تقاضا کرتی ہے۔

دین اسلام کی تعلیمات میں صرف شہری اجتماع ہی نہیں، بلکہ اس اجتماعی تربیت کا ایک مرحلہ وہ آتا ہے کہ ایک سال میں تمام اقوام اور علاقوں سے تمام صاحبِ استطاعت لوگ حج کے اجتماع کے لیے مکۃ المکرّمہ پہنچیں گے۔ حج وہ اجتماعِ عظیم ہے کہ جس کے پاس استطاعت ہو، وہ اپنے اپنے علاقے، اپنی اپنی جامع مسجدیں بھی چھوڑ کر جامع المساجد، مسجد الحرام مکۃ المکرّمہ کے عالم گیر اجتماعِ حج میں شرکت کرے۔ اس بین الاقوامی اجتماع کے قواعد و ضوابط بھی جاری کر دیے گئے۔ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ (197:2) کوئی جھگڑا نہیں، کوئی لڑائی نہیں، کوئی گالی گلوچ نہیں۔ حج میں افرد کا باہمی تعلق، اجتماعی عمل، نظم و ضبط اور ڈسپلن کی علامت ہونا چاہیے۔ یہاں تک یکسانیت پیدا کرنے کا حکم دیا گیا کہ اپنے اپنے علاقائی لباس بھی اتار دیں۔ کس علاقے کا کیسا لباس تھا، چھوڑ دیں۔ سب لوگ دو سفید چادروں میں

یکساں لباس کے ساتھ اس اجتماعی عمل کو سرانجام دیں۔ یہ عالم گیر اجتماعیت ہے۔

اب یہاں غور و فکر کے ساتھ ان اجتماعات کے تقاضے، ذمہ داریاں، فرائض اور اس کے دائرۂ کار کو سمجھنا بڑا ضروری ہے۔ محلوں میں مسجدیں آج بھی ہیں۔ شہروں میں جامع مسجدیں بھی قائم ہیں۔ مسجد الحرام میں عالم گیر اجتماع بھی ہوتا ہے، لیکن سمجھنا یہ ہے کہ اس اجتماعیت کے جو مقاصد و اہداف دین اسلام نے متعین کیے، آج وہ ہمارے پیش نظر ہیں؟ اور اگر نہیں تو ان مقاصد و اہداف کو اپنے اجتماع گاہ کی بنیادی ضرورت اور تقاضا بنانا ہوگا۔ یہ ہماری ذمہ داری ہے۔ ہر اجتماع ایک اجتماعی تربیت کا تقاضا کرتا ہے۔ کیا اس اجتماعیت کا صرف یہی ایک مقصد ہے کہ مسجد میں آئے اور رسمی طور پر دو رکعات نماز امام کے ساتھ پڑھ لی! یا محض خاموشی کے ساتھ خطبہ سن لیا! کیا اس اجتماع کا مقصد صرف یہ ہے کہ محلے کی مسجد کے اندر خاموشی، نظم و ضبط اور ڈسپلن کے ساتھ پانچ وقت کی عبادت ادا کر لی جائے۔ ایک ہفتے کے بعد جمعہ کے روز ایک اجتماع قائم کر کے ایک اجتماعی عبادت کی سرانجام دہی۔ سال کے بعد مسجد الحرام میں جمع ہو کر ایک عالمی عبادت کی انجام دہی کر لی جائے۔ ان پانچ اوقات و ایام کی نماز کے بعد ہمارے بازار، ہماری سوسائٹی، ہمارے گھر، ہماری سیاست، ہماری معیشت بدنظمی اور افتراق و انتشار کا شکار رہیں۔ نظم و ضبط صرف مسجد کے اندر ہو، جمعہ کے دن تو اجتماعیت اور نظم و ضبط کا اظہار کیا جائے، باقی ایام بدنظمی کا عنوان ہوں۔ یہاں مسجد میں تو ہم ایک قطار اور ایک صف کے اندر بیٹھیں، عبادت سرانجام دیں اور مسجد سے باہر نکلتے وقت ہم انسانوں کو روند جانے، قطار توڑنے، نظم و ضبط کو پامال کرنے لگیں۔ 24 گھنٹے میں سے نماز کے اوقات میں تو نظم و ضبط کی پابندی اختیار کریں اور باقی اوقات میں بدنظمی اور بے ہنگم شور شرابا عروج پر ہو۔

ایسا ہرگز نہیں! ان اوقات و ایام میں مساجد میں قائم کی جانے والی اجتماعیت کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے اندر ایسے اجتماعی اَخلاق اور سماجی ذمہ داریوں کے تقاضے اُبھرنے چاہئیں کہ جب ہم اپنی عبادت گاہ کے دائرے سے باہر نکلیں تو وہاں بھی سیاسی، معاشی اور سماجی حوالے سے نظم و ضبط کے پابند ہوں۔ بس پہ سوار ہونا ہے تو کیسے، خرید و فروخت کرنی ہے تو کیسے، دوسروں کے ساتھ لین دین کرنا ہے تو کیسے۔ ہم نے قومی سطح کا سماجی اور عمرانی معاہدہ کرنا ہے تو کیسے۔ اقوامِ عالم کے درمیان بین الاقوامی معاملات طے کرنے ہیں تو کیسے۔ عبادات کے ذریعے سے قائم نظم و ضبط تقاضا کرتا ہے کہ ہماری پوری اجتماعی زندگی میں نظم و ضبط موجود ہو۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ کسی فوج کا سپاہی جب ٹریننگ حاصل کر رہا ہو تو نظم و ضبط کا مظاہرہ کرے اور اس دائرے سے باہر نکلے تو ہلڑ بازی مچانا شروع کر دے، بدنظمی کا مظاہرہ کرے، نہیں! ایک تربیت یافتہ فرد کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے اجتماع کے ہر ہر قدم، اجتماعی زندگی کے ہر ہر پہلو میں نظم و ضبط اور ڈسپن کا پابند ہو۔ اجتماعیت کے تقاضوں کو پیش نظر رکھے۔ دوسرے انسانوں کی ہمدردی، خیر خواہی، ان کی ضروریات کی تکمیل کو پیش نظر رکھے۔ یہ اُسی وقت ہوگا کہ جب ہم اجتماعی تقاضوں کو درست تناظر میں سمجھیں گے۔ اور ان کا صحیح طور پر ادراک کریں گے۔

یوں تو سوسائٹی کے ہر ہر مرحلے میں ہمیں اجتماعیت کے تقاضوں کو پیش نظر رکھنا ہے، لیکن سوسائٹی کے تین بنیادی دائروں، خاص طور پر انھیں پیش نظر رکھنا ہے۔ ماہرین عمرانیات یہ کہتے ہیں کہ انسانی سوسائٹی میں تین بڑے سماجی دائرے ہوتے ہیں: فکر و نظریہ، سیاست اور معیشت۔ سب سے پہلے ہمیں سماجی تقاضوں کی تکمیل کے حوالے سے اپنے فکر، نظریے، سوچ اور خیالات کے اندر یکسوئی اور وحدت پیدا کرنی ہے۔ ہماری یہ نماز، جمعہ کا یہ اجتماع اور حج کا اجتماع ایمان والوں کے دل و دماغ میں ایک فکر، ایک نظریے، ایک سکول آف تھاٹ کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرتا ہے۔ آپ انسانی حوالے سے کیا نظریہ رکھتے ہیں۔ اس اجتماع کا پہلا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ ہمارا نظریہ عدل کا ہو اور ہمارا فکر انسان دوستی کا ہو۔ ہماری سوچ بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب تمام انسانوں کی فلاح و بہبود کی ہو۔ یہ اس اجتماع کا پہلا بنیادی تقاضا ہے۔

اگرچہ مسجد، جمعہ اور حج کا یہ اجتماع مسلمانوں کا ہے، لیکن مسلمان ایک ایسی جماعت ہے، جو بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب تمام انسانیت کے انسانی حقوق ادا کرنے کا نظریہ رکھتی ہے۔ اسے حکم دیا گیا ہے کہ وہ سوسائٹی میں جتنے بھی یتیم، مسکین، پسے ہوئے لوگ ہیں، ان کے معاشی حقوق کی ادائیگی کی سوچ رکھے۔ قرآن حکیم میں جہاں یتیم، مسکین یا پسے ہوئے لوگوں کی بات کی گئی ہے، وہاں عقیدے کا کوئی تذکرہ نہیں۔ "المسکین" کوئی بھی مسکین۔ "الیتیم" کوئی بھی یتیم۔ "السائلین" سوال کرنے والا کوئی بھی ہو۔ کسی نسل کا ہو، کسی عقیدے کا، کسی مذہب کا ہو، ان کے معاشی حقوق ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ تمام انسانوں کے لیے امن کی بات کی گئی ہے۔ ان اجتماعات کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ ایک مسلمان ایک ایسی سوچ اور ایسا نظریہ رکھے، جو تمام انسانوں کی فلاح و بہبود اور ان کے تمام حقوق کی ادائیگی کی نیت اور عزم پر مبنی ہو۔ انسان دشمنی، ظلم، بداَخلاقی، انسانوں کے حقوق کے پامال کرنے کا نظریہ ترک کرنا ہوگا۔

ہر اجتماع کا دوسرا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ اس میں موجود افراد اپنے گھر، بازار، محلے، مسجد، ہر جگہ پر سیاسی حوالے سے امن قائم کرنے کی کوشش کریں۔ انھیں جان کا امن چاہیے۔ انھیں اپنی عزت و آبرو کا تحفظ چاہیے۔ اس اجتماع کو انسانی سوسائٹی کے لیے امن کی علامت بننا ہے۔ یہ نہیں کہ مسجد میں پُرامن ہوں اور مسجد سے باہر دہشت گردی کریں۔ آج کل تو ہم نے ویسے بھی معاملہ اُلٹا کر دیا۔ اپنے گھر کے ساتھ ساتھ مسجد میں بھی دہشت گردی پیدا کرنے کا ذریعہ بننے لگے۔ مسجد میں بھی پُرامن رہنے کے لیے ہم تیار نہیں۔ تو مسجد سے باہر ہم کیسے پُرامن رہنے کو لازمی اور ضروری سمجھیں گے۔ حال آں کہ یہ ضروری ہے کہ ہمارا گھر، ہماری دکان، ہمارا دفتر، ہمارا بازار، ہماری عدالت اور ہماری سیاست بھی امن کی حالت میں کام کرے۔ خوف، دہشت اور بداَمنی انسانی سوسائٹی کے لیے تباہ کن ہے۔ جمعہ کا شہری اور قومی اجتماع اور حج کا بین الاقوامی اجتماع اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ جو جماعت اس میں شریک ہو، اس کا سیاسی نظریہ امن کا، جان مال عزت و آبرو کے تحفظ کا ہونا چاہیے۔ اور تمام انسانوں کے انسانی حقوق کو پُرامن طریقے سے سرانجام دینے کے لیے ان کا سیاسی نظام موجود ہونا چاہیے۔ دینی نقطہ نگاہ سے تشدد، قتل و غارت گری، بداَمنی، ایسے منفی رویے ہیں، جو انسانی اجتماع کے وجود کے منافی ہیں۔ ایک مسلمان کی اجتماعیت اور سیاست ان تمام منفی رویوں کا انکار کرتی ہے۔

بقیہ صفحہ نمبر 07 پر

دین اسلام دنیا کا ایسا واحد اور جامع دین ہے، جو انسانی معاشرے میں اجتماعیت کو سب سے زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ دیگر مذاہب و افکار میں خاص طور پر عبادات کا انداز و اسلوب یکسوئی، تنہائی، خلوت کا ہے۔ لیکن دین اسلام واحد ایسا جامع دین ہے، جس میں عبادات میں بھی اجتماعیت کو بنیادی اہمیت دی گئی ہے۔

توجہ طلب

جنوبی سوڈان: افریقا کی پہلی عیسائی ریاست

مسعود ابدالی

09/ جولائی 2011ء کو براعظم افریقا پر ایک نئے ملک کی ولادت ہوئی اور ''جنوبی سوڈان'' وجود میں آ گیا۔ اعلانِ آزادی کے ساتھ ہی امریکا اور برطانیہ نے جنوبی سوڈان کو تسلیم کرلیا۔ جب کہ نئی ریاست کے دارالحکومت ''جوبا'' میں تقریبِ آزادی سے خطاب کرتے ہوئے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بان کی مون نے اعلان کیا کہ اگلے ہی ہفتے جنوبی سوڈان کو اقوامِ متحدہ کی مکمل رکنیت دے دی جائے گی۔ اقوامِ متحدہ نے ایسی ہی عجلت مشرقی تیمور کو تسلیم کرنے میں بھی لگائی تھی، جسے انڈونیشیا سے کاٹ کر تشکیل دیا گیا ہے، لیکن 2008ء میں اپنی آزادی کا اعلان کرنے والی یورپ کی ریاست ''کوسووا'' ابھی تک اقوامِ متحدہ کی رکنیت سے محروم ہے۔ حال آں کہ گزشتہ برس عالمی عدالتِ انصاف کوسووا کی رکنیت کا حکم جاری کرچکی ہے۔ دہرے معیار اور بڑی طاقتوں کی منافقت کے باوجود دنیا بھر کے امن پسندوں کے لیے جنوبی سوڈان کی آزادی اس اعتبار سے خوش آئند ہے کہ اس کے نتیجے میں نصف صدی سے جاری خون ریزی رُک گئی ہے۔ اس تنازعے نے 20 لاکھ سے زیادہ افراد کی جان لی، جب کہ لاکھوں خواتین بے آبرو کی گئیں کہ صنفِ لطیف کی اجتماعی عصمت دری کو اس جنگ میں ایک فوجی حکمتِ عملی کے طور پر استعمال کیا گیا تھا۔ نسلی اعتبار سے سوڈان تین لسانی اکائیوں پر مشتمل ہے: یعنی شمالی سوڈان، جہاں عرب مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ جنوبی سوڈان میں عیسائی اور روح پرست Animist افریقی قبائلی آباد ہیں۔ جب کہ مغربی سوڈان دارفر کہلاتا ہے، جو افریقی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ جنوری 1956ء میں مملکت کی آزادی کے ساتھ ہی جنوبی سوڈان کے شہر جوبا میں مظاہرے شروع ہوگئے تھے۔ ان لوگوں کا، جن میں اکثریت روح پرست افریقی قبائل کی تھی، کہنا تھا کہ: جنوبی سوڈان مذہبی، معاشرتی اور لسانی اعتبار سے باقی ممالک سے الگ ہے اور انھیں مکمل خودمختاری ملنی چاہیے۔ سوڈانی وزیراعظم اسماعیل الازہری نے جنوبی سوڈان کو مکمل علاقائی خودمختاری دینے کا وعدہ کیا۔ ایتھوپیا کی متعصب مسیحی حکومت نے جنوبی سوڈان کے علاحدگی پسندوں کی مکمل حمایت کی اور اس کے ساتھ ہی اصلاحِ عقیدہ کی غرض سے ایتھوپیائی شہنشاہ ہیل سلاسی نے سینکڑوں مسیحی مبلغین بھی جوبا بھیجے۔ ایتھوپیا کے بادشاہ کی ان کوششوں کو قدرتی طور پر مغربی دنیا نے زبردست خراجِ تحسین پیش کیا اور پھر روم سے ماہر تجربہ کار مبلغین نے جوبا اور اس کے مضافات کا رُخ کرنا شروع کردیا۔

ان یورپی باشندوں کو افریقی زبان سکھانے کے لیے ایتھوپیا کے دارالحکومت ''عدیس ابابا'' میں تربیتی مراکز کھولے گئے۔ جنوبی سوڈان کے جنگجوؤں کی فوجی تربیت اور اسلحے کی ترسیل کینیا کی ذمہ داری تھی۔ سوڈان کے رہنماؤں نے بات چیت کے ذریعے حالات کو قابو کرنے کی کوشش کی، لیکن بدقسمتی سے خرطوم سیاسی عدمِ استحکام کا شکار تھا اور آزادی کے صرف دو سال بعد ملک میں پہلا مارشل لا لگ چکا تھا۔ ایک طرف جنوبی سوڈان میں باغی منظّم ہو رہے تھے تو دوسری طرف سوڈانی رہنما اقتدار کی چھینا جھپٹی میں مصروف تھے۔ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کرنل جعفر النمیر ی نے 1969ء میں دوسرا مارشل لا لگا دیا۔ اسی دوران جنوبی سوڈان کے منتشر باغی جنرل جوزف لاگو کی قیادت میں متحد ہوگئے اور انھوں نے جنوبی سوڈان کی تحریکِ آزادی SSLM کے نام سے خود کو منظّم کرلیا۔ عیسائی تنظیموں نے سارے یورپ میں ان کے لیے فنڈز جمع کرنے شروع کردیے۔ کرنل قذافی اور دوسرے افریقی رہنماؤں کی کوششوں سے امن مذاکرات شروع ہوئے۔ 1972ء میں ''معاہدہ عدیس ابابا'' کے تحت جنگ بند ہوئی اور حالات معمول پر آگئے۔ زمانۂ امن میں تیل کی تلاش کا کام شروع ہوا اور ابتدائی نتائج ہی حوصلہ افزا ثابت ہوگئے۔

1980ء میں تیل سے حاصل ہونے والی آمدنی کی تقسیم پر جنوبی سوڈان کے لوگوں نے اعتراض کیا۔ بیانات، احتجاج اور مظاہروں سے آگے بڑھ کر یہ معاملہ تنصیبات پر حملوں تک جا پہنچا۔ دوسری طرف جنوبی سوڈان کے قوم پرست ''عدیس ابابا معاہدہ'' سے خوش نہیں تھے۔ بعض جونیئر فوجی افسروں نے اسے وفاق کی کمزوری قرار دیتے ہوئے جنرل نمیری کو بزدلی کا طعنہ دیا۔ تیل کی دریافت نے بڑی طاقتوں کو بھی اس طرف مائل کردیا تھا۔ چناں چہ جنوبی سوڈان کے باغیوں کو اسلحے کی ترسیل بحال ہوگئی اور چھاپہ مار حملوں کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا۔ دوسری طرف صدر نمیری پر سیاسی دباؤ بڑھا اور کرپشن و مہنگائی کے خلاف ملک گیر مظاہرے شروع ہوگئے۔

صدر نمیری نے عوامی جذبات بھانپتے ہوئے ملک میں شریعت نافذ کرنے کا اعلان کیا، لیکن روایتی آمروں کی طرح صرف تعزیری نظام پر اکتفا کیا۔ حال آں کہ دعوت و تبلیغ کے بعد ہی تعزیر کی باری آتی ہے۔ شفاف منصفانہ نظام کے بغیر تعزیرات کا نفاذ ایک بھونڈا اقدام تھا، جس کا جنوبی سوڈان میں شدید ردّعمل ہوا۔ اس کے ساتھ ہی یہ افواہ بھی اڑادی گئی کہ جنرل نمیری نے ''عدیس ابابا معاہدہ'' منسوخ کردیا ہے۔ خرطوم کے واضح تردیدی بیان کے باوجود سارے جنوبی سوڈان میں مظاہرے شروع ہوگئے اور سیاسی رہنما جان گرانگ نے سوڈان پیپلز لبریشن آرمی SPLA کے تحت جنگِ آزادی، یعنی مسلح جدوجہد کا اعلان کردیا۔ جلد ہی کینیا، ایتھوپیا، یوگنڈا اور لیبیا نے SPLA کو جنوبی سوڈان کا نمائندہ تسلیم کرلیا۔ دوسری جانب خرطوم میں کرسی کی جنگ جاری رہی اور اپریل 1976ء میں جنرل عبدالرحمٰن سوارالذہب نے جنرل نمیری کا تختہ الٹ دیا اور تیسرا مارشل لا لگا کر اسلامی شریعت منسوخ کردی۔ قومی ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے صادق المہدی اور ڈاکٹر حسن ترابی کی مخلوط حکومت قائم کردی گئی، جس میں جنوبی سوڈان کو بھی نمائندگی دی گئی۔

اگلے چند برس کے دوران وزیراعظم مہدی نے مصالحت کی سرتوڑ کوششیں کیں، لیکن اس سے پہلے کہ کوئی نتیجہ برآمد ہوتا، جون 1989ء میں جنرل عمر البشیر نے چوتھا مارشل لا لگا دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی سوڈانی فوجوں اور SPLA کے درمیان خوف ناک جنگ چھڑ گئی۔ مغربی دنیا کھل کر SPLA کی پشت پر آ کھڑی ہوئی اور جنوبی سوڈان میں جدید ترین اسلحے کے انبار لگا دیے گئے۔ مسیحی مبلغین نے محلے محلے جذباتی تقریروں سے جنگ کی فضا پیدا کردی اور نو برس کے بچے بھی SPLA کی وردی پہن کر میدان میں آ گئے۔ افریقی ممالک کی کوششوں سے 2005ء میں نیروبی معاہدے کے تحت جنوبی سوڈان کو مکمل خودمختاری دینے کا اعلان کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی طے پایا کہ آزادی کے بارے میں ایک ریفرنڈم کے ذریعے جنوبی سوڈان کے لوگوں کی رائے معلوم کی جائے گی۔

جنوری 2011ء کے ریفرنڈم میں 98 فی صد افراد نے مکمل آزادی کے حق میں رائے دی اور سوڈانی پارلیمنٹ عوامی رائے کے احترام میں جنوبی سوڈان کو آزاد کرنے کا اعلان کردیا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا اس آزادی کے بعد اس علاقے میں امن قائم ہوجائے گا؟ افریقا کے سفارتی

ذرائع اس معاملے پر بہت زیادہ پرامید نہیں ہیں۔ سب سے بڑا مسئلہ تیل کی دولت اور دریائے نیل کے پانی کا ہے۔ سوڈان کے تیل کا 98 فی صد حصہ جنوبی سوڈان سے حاصل کیا جاتا ہے۔ معاہدے کے مطابق تیل سے حاصل ہونے والی آمدنی سوڈان اور جنوبی سوڈان میں برابر تقسیم کی جائے گی۔ سوڈان جنوب سے حاصل ہونے والے تیل کے لیے اپنی پائپ لائن استعمال کرنے کی اجازت دے گا اور خرطوم کی ریفائنریاں خام تیل صاف کریں گی۔ اسی طرح جنوبی سوڈان دریائے نیل پر کوئی ڈیم یا رُکاوٹ کھڑی نہیں کرے گا۔ سوڈان نے بلا روک ٹوک آمدو رفت اور دوہری شہریت کی تجویز دی ہے، جس پر جنوبی سوڈان کی پارلیمنٹ غور کرے گی۔ بظاہر یہ امور معاہدہ نیروبی میں بصراحت تحریر کردیے گئے ہیں، لیکن نیتوں کے بدلتے دیر نہیں لگتی۔ جنوبی سوڈان خشکی سے گھرا ہوا ملک ہے۔ وہ تیل کی ترسیل کے لیے سوڈان کی پائپ لائن اور بندرگاہ استعمال کرنے پر مجبور ہے۔ لیکن وہ اپنے مشرقی پڑوسی ایتھوپیا کے ذریعے بھی بحیرہ احمر تک رسائی حاصل کرسکتا ہے۔ اسی طرح خام تیل کی صفائی کے لیے یوگنڈا اور کینیا کی ریفائنریاں بھی استعمال ہوسکتی ہیں۔ اس صورت میں سوڈان تیل کی آمدن سے محروم ہوجائے گا۔

یہ تو ہے معاملے کا ایک پہلو، لیکن بات صرف جنوبی سوڈان تک محدود نہیں۔ سوڈان کو دارفر میں بھی ایسی ہی شورش کا سامنا ہے اور بین الاقوامی عدالتِ انصاف نے جنگی جرائم کے الزام میں سوڈانی صدر کے وارنٹ بھی جاری کر رکھے ہیں۔ جوبا کی تقریب میں دارفر کی آزادی کے نعرے بھی لگائے گئے۔ اس کے علاوہ جنوبی سوڈان کی سرحدوں کا تعین بھی ابھی تک پوری طرح نہیں ہوا۔ اور کئی سرحدی علاقوں کی ملکیت کا فیصلہ کرنا ابھی باقی ہے۔ مذکورہ تقریب میں سوڈانی صدر کے ساتھ جو تحقیر آمیز سلوک کیا گیا، اس سے بھی خرطوم کو بہت تشویش ہے۔ ان کی آمد پر قاتل اور مجرم کے نعرے لگائے گئے۔ آزادی کی دستاویز پر دستخط کے بعد جب سوڈانی صدر نے امریکا سے اپنے ملک کے خلاف پابندیاں اٹھانے کی درخواست کی تو سارے مجمع نے "No No" کے نعرے بلند کیے۔ امریکی نمائندہ سوزن رائس نے اپنی تقریر میں اعلان کیا کہ تمام سرحدی تنازعات کے خاتمے تک سوڈان پر پابندیاں قائم رہیں گی۔ اور ڈو مور Do More کا مطالبہ کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ: ''مہذب دنیا'' میں واپسی کے لیے سوڈان کو دارفر کا مسئلہ بھی حل کرنا ہوگا۔

جنوبی سوڈان کی علاحدگی میں مسیحی پادریوں اور گرجا گھروں نے کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ ان مبلغین نے انتہائی صبر اور مستقل مزاجی کے ساتھ پچاس سال سخت محنت کی۔ شدید لڑائی کے باوجود یورپ کے مسیحی تبلیغی کارکن ایک ایک گاؤں تک پہنچے اور قحط زدہ علاقوں میں جان پر کھیل کر اجناس کی تقسیم کا کام کیا۔ اس کے ساتھ ہی صحت اور صفائی کی سہولت بھی فراہم کی گئی۔ تعلیم عام کی گئی اور نصاب میں مسیحی عقائد کو بنیادی جزو بنایا گیا۔ اسی محنت اور حکمتِ عملی کا نتیجہ ہے کہ آج جنوبی سوڈان کے نصف سے زیادہ روح پرست لوگ عیسائی ہوچکے ہیں۔ یہ افریقی قبائل سو سے زیادہ مختلف زبانیں بولا کرتے تھے اور ان کے درمیان کئی بار خون ریز لسانی فسادات ہوچکے ہیں۔ اب یہاں قومی یک جہتی کے فروغ کے لیے انگریزی زبان کو عام کیا گیا اور اعلانِ آزادی میں انگریزی کو ریاست کی قومی زبان قرار دیا گیا ہے۔ دنیا کی بالادست طاقتوں کے زیرنگرانی یہ پوری تحریکِ آزادی ایک مذہبی سامراجی تحریک تھی اور اس لحاظ سے جنوبی سوڈان کو افریقا کی پہلی مسیحی نظریاتی ریاست قرار دیا جاسکتا ہے۔

(بشکریہ روزنامہ ''مُنصف'' حیدرآباد دکن)

بقیہ خطبہ جمعة المبارک

دین اسلام کے ہر اجتماع کا تیسرا بڑا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان جماعت اس بات کا عزم کرے کہ وہ اپنی سوسائٹی کے معاشی سسٹم کو بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب عدل و مساوات کی بنیاد پر قائم کرے گی۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کے تاریخی فیصلے ''هــــذا معــاش فــالاُسـوـة فيـه خير من الاُثرة'' (یہ معاشی معاملات ہیں۔ ان میں ایک فرد کو دوسرے فرد پر ترجیح دینے سے مساوات بہتر ہے۔) کے مطابق عدل و مساوات کا معاشی نظریہ رکھا جائے۔ اسی لیے یتیم و مسکین، سائلین محتاج، ان میں کسی قسم کی کوئی تقسیم اور تفریق روا نہیں رکھی گئی کہ مسلمان یتیم ہو تو اس کو تو مال دیا جائے اور کافر یتیم ہو تو اس کو مال نہ دیا جائے۔ نہیں! ہر ایک فرد جو معاشی احتیاجات میں مبتلا ہے، اس کی احتیاجات کو دور کرنے کا سسٹم بنایا جائے۔ اسی کے لیے ''انفاقِ مال'' کا حکم دیا گیا۔ انفاقِ مال کے حکم کا یہ مطلب نہیں کہ بغیر کسی نظم و ضبط کے محض پیسے لُٹا دیے جائیں۔ نمود و نمائش کے لیے کسی شادی بیاہ میں نوٹوں کی بارش کردی جائے۔ انفاق کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ دولت کی اجتماعی طاقت کو ختم کر کے اس طرح بکھیر دیا جائے کہ کوئی معاشی نظم و ضبط اور ڈسپلن پیدا نہ ہو۔ نہیں! بلکہ انفاقِ مال کا مطلب یہ ہے کہ ایک سسٹم کے ذریعے معاشی کفالت کا بہترین اجتماعی معاشی نظام قائم کیا جائے۔

انفاق کا مطلب محض دولت کا خرچ کردینا نہیں، بلکہ دولت اور سرمائے کا ایسا استعمال کہ جس کے ذریعے سے پیدائش دولت، صرفِ دولت، تبادلہ دولت اور تقسیم دولت کا عمل عدل و مساوات کی بنیاد پر قائم ہو۔ کسی اکنامک سسٹم کے یہی چار بنیادی دائرے ہیں کہ دولت کی پروڈکشن کیسے ہوگی۔ اس کی تقسیم کیسے ہوگی۔ اس کے تبادلے کا سسٹم کیسے ہوگا۔ اس کے استعمالات یا صَرف کا قانون اور ضابطہ کیا ہوگا۔ جب قرآن حکیم انفاقِ مال کی بات کرتا ہے تو دراصل اس اجتماع کو یہ سکھانا چاہتا ہے کہ دولت کی پیدائش کے لیے اتنی ہی سرگرمی اختیار کی جائے، جتنی کہ دیگر کاموں کے لیے ضروری ہے۔ حضورؐ نے صاف فرمادیا کہ: لوگو! دوسروں پر بوجھ مت بنو۔ کسی کے سامنے بھیک مت مانگو۔ خود کام کر کے کماؤ۔ محنت کرو۔ گویا کہ زیادہ سے زیادہ دولت پیدا کرو۔ اور اس کو سوسائٹی کے مفاد کے لیے استعمال کرنے کی سوچ اور نظریہ رکھو۔ دینی تعلیمات پر مبنی ہر اجتماع، ان تین بنیادی تقاضوں کا حامل ہے۔

آج ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ہماری مسجد کا جمعہ اور حج کا اجتماع کیا اجتماعیت کے یہ تین تقاضے ہمارے اندر پیدا کر رہا ہے۔ ہمارا نظریہ بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب، انسانی حقوق کی ادائیگی میں عدل و انصاف کا ہے یا ظلم اور ناانصافی کا ہے۔ سوچنا ہے، غور و فکر کرنا ہے۔ ہمارا سیاسی نظریہ اور سیاسی نظام پوری سوسائٹی کو امن دینے اور جان، مال، عزت و آبرو کے تحفظ کا ہے یا خوف اور دہشت کی علامت بن چکا ہے۔ ہمیں سوچنا ہے کہ کیا ہمارا معاشی نظام طبقاتی حوالے سے امیر کو امیر تر اور غریب کو غریب تر بنانے کا کام کر رہا ہے یا اس کی جگہ پر تمام انسانوں کے معاشی حقوق پورے کرنے کے لیے ہمارے اندر صلاحیت و استعداد پیدا کر رہا ہے۔ یہ تجزیہ اور غور و فکر کرنا، ان اجتماعات کا لازمی تقاضا ہونا چاہیے۔ اور پھر اس تجزیے کی اساس پر اپنی منفی سوچ کو بدلنا، اپنے غلط رویے بدلنا، اپنے ناجائز کردار کو بدلنا ہے۔ اپنے اجتماعی کردار کو دین اسلام کے بنیادی دائروں، تقاضوں، اخلاق اور رویوں کے مطابق بنانا ہے۔ آج ہم دین اسلام کے انھی تقاضوں کو سمجھ کر اپنی انفرادی اور اجتماعی تعمیر و تشکیل کریں گے تو یقیناً دنیا کی کامیابی ہے اور آخرت کی کامیابی بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

Monthly RAHIMIA Lahore LRL 466 CPL No. 59

”مبارک اردو لائبریری“ صادق آباد کا دورہ

مفتی عبدالخالق آزاد

صادق آباد، ضلع رحیم یار خان میں ایک قدیم قصبے ”محمد آباد“ میں سید مبارک شاہ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے 1926ء میں ”مبارک اردو لائبریری“ قائم کی تھی۔ اس لائبریری کے بارے میں انھوں نے مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ سے جامعہ ملیہ دہلی میں ملاقات کر کے ایک تحریر لکھنے کی درخواست کی تھی۔ اس پر مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا تھا: ”الحمد للّٰہ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. امابعد! آج اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ میں سید مبارک شاہ صاحب سے ملا۔ میں ابتدا سے اس مبارک خاندان کو جانتا ہوں۔ مجھے نہایت مسرت ہوئی کہ وہ علمی انسٹیٹیوشن کے بانی ہیں۔ ریاست بہاولپور مسلمانوں کی ایک اچھی ریاست ہے۔ اس کے اہالی (رہنے والوں) میں علمی روشنی پیدا کرنے کا سامان نہایت مبارک کوشش ہے۔ میں جناب سید صاحب سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ اپنی لائبریری میں ہمارے امام ولی اللہ (دہلویؒ) کے متعلق سلسلۂ کتب بھی جمع کریں گے۔ اور جامعہ (ملیہ) میں ”بیت الحکمت“ کی طرف بھی متوجہ رہیں گے۔ قرآن عظیم کو ”حجۃ اللّٰہ البالغہ“ کے اصول پر اگر اس زمانے کا نوجوان تفسیر کر کے یقین پیدا کر لے تو وہ آج کی دنیا میں مجمع اقوام کا سرکردہ بن سکتا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ یہ لائبریری اس کام کو پورا کرے گی۔

واللہ الموفق. عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ، ۱۶/ اکتوبر ۱۹۴۳ء، بیت الحکمت، جامعہ ملیہ، دہلی۔“

راقم سطور کو مؤرخہ 13/ جنوری 2012ء میں اس قدیم لائبریری میں جانے کا اتفاق ہوا۔ سید مبارک شاہ صاحب کے صاحبزادے سید انیس شاہ گیلانی اس وقت اس لائبریری کے نگران ہیں۔ ضعف اور کمزوری کی وجہ سے انھوں نے اپنے صاحبزادے کو لائبریری کا نظم و نسق سپرد کر دیا ہے۔ راقم سطور، جناب ڈاکٹر نیاز احمد صاحب کے ہمراہ جب یہاں پہنچا تو انھوں نے نہایت تپاک سے استقبال کیا اور بہت خوش دلی سے لائبریری کی اہم کتابیں دکھائیں۔ ان کے والد گرامی جناب سید مبارک شاہ صاحب کی بہت سے حریت پسند علما اور رہنماؤں سے ملاقاتیں رہی ہیں۔ ان حضرات سے ہونے والی خط و کتابت کا ذخیرہ ان کے پاس محفوظ ہے۔ نیز بہت سے قلمی خطوط نہایت ترتیب اور سلیقے کے ساتھ محفوظ ہیں۔ قرآنِ حکیم کے قلمی نسخے اور چند فارسی مخطوطات بھی اس لائبریری میں ہیں۔ اردو لائبریری ہونے کی وجہ سے زیادہ تر کتابیں اردو ادب، شاعری اور تاریخ پر مشتمل ہیں۔ اسی طرح ”برہان“، ”معارف“ اور ”چٹان“ جیسے دیگر قدیم اردو رسائل کا بھی ایک اہم ذخیرہ اس لائبریری میں ہے۔ اگرچہ سید انیس شاہ گیلانی کے صاحب زادے اس لائبریری کی ترتیب و تہذیب میں مشغول ہیں، لیکن لائبریری سے استفادے کے لیے جدید خطوط پر اسے منظّم کرنا بہت ضروری ہے۔ گیلانی صاحب باذوق آدمی ہیں اور وسیع مطالعہ رکھتے ہیں۔ کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ ان سے مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے بھی گفتگو ہوئی۔ اس لائبریری میں چند گھنٹوں کا قیام خوش گوار یادوں کا حامل رہا۔

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از جناب مفتی عبدالغنی قاسمی شعبہ دارالافتاء ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

براہِ راست سوالات پوچھنے کے لیے رابطہ کریں: 0321-4431184

سوال (1): ایک شخص امام کے پیچھے جماعت کے ساتھ صفوں کے درمیان کھڑے ہو کر نماز ادا کر رہا تھا کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا۔ وضو کرنے کے لیے جاتے ہوئے وہ صفوں کے درمیان سے گزر سکتا ہے یا نہیں؟ محمد ثناء الحق، لیہ

جواب: نمازیوں کا خیال کرتے ہوئے صفوں کے درمیان سے گزر جائے اور وضو کر کے اپنی نماز مکمل کرے۔

سوال (2): 10/ محرم الحرام (یومِ عاشورا) کو روزہ رکھنا کیسا ہے؟ محمد ہاشم، بہاولنگر

جواب: 10/ محرم الحرام (یومِ عاشورا) کا روزہ مسنون ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اس سے ایک دن پہلے بھی روزہ رکھے۔

سوال (3): زید کی کوئی اولاد نہیں ہے۔ اس نے ایک لے پالک بیٹا بنا رکھا ہے۔ اس کی تعلیم و تربیت اور شادی کے تمام امور زید نے سرانجام دیے۔ زید کے فوت ہونے کے بعد اس کا یہ لے پالک اس کی وراثت کا حق دار ہوگا یا نہیں؟ اسی طرح کی زید کی اہلیہ، جس نے اس بچے کو پالا پوسا ہے، اُس کے بالغ ہونے کے بعد اس سے پردہ کرے گی؟ حافظ محمد شفیق، وڈالہ سندھواں

جواب: زید کی وراثت شرعی ورثا کے مابین ہی تقسیم ہوگی۔ ”لے پالک“ جس کو زید نے اپنی گود لے کر بیٹا بنا لیا تھا، وہ اس کا حقیقی بیٹا نہیں ہے۔ حقیقی بیٹا نہ ہونے کی وجہ سے مالِ وراثت میں بیٹے والا حصہ اس کو نہیں ملے گا۔ البتہ اگر زید نے اس لے پالک کے حق میں وصیت کی ہو تو تہائی مال تک اس کا نفاذ ہوگا۔ اسی طرح اگر یہ لے پالک زید کا قریبی عزیز ہے تو اس رشتے کے ذریعے وراثت کا حق دار بن سکتا ہے۔ بیٹے والی وراثت اس کو نہیں ملے گی۔ نیز زید کا لے پالک بیٹا بالغ ہو جانے کے بعد گھر رہے تو زید کی اہلیہ اس سے پردہ کرے گی۔

سوال (4): میں نے سردیوں کے موسم میں چمڑے کے موزے خریدے ہیں۔ ان پر مسح کا طریقہ اور اس کی مدت کی وضاحت فرمائیں؟ واجد وہاب، واہ کینٹ

جواب: چمڑے کے مکمل موزے (جن سے ٹخنے بھی ڈھک جائیں) اگر وضو کے بعد پہن لیے جائیں تو مقیم ایک دن رات اور مسافر تین دن تین رات تک وضو کرتے ہوئے پاؤں دھونے کی بجائے صرف موزوں کی پشت پر تین انگشت کی مقدار مسح کر لینا کافی ہے۔ اور مدت کا آغاز موزے پہننے کے بعد وضو ٹوٹنے کے وقت سے ہوگا۔

مجلس مشاورت

حضرت مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی (بورے والا)
حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر (چشتیاں)
حضرت مولانا مفتی عبدالغنی قاسمی (لاہور)
حضرت مولانا مفتی محمد مختار حسن (نوشہرہ)
حضرت مولانا عبدالقادر دین پوری (بہاولنگر)
حضرت مولانا رشید احمد (ڈیرہ اسماعیل خان)
محترم سید مطلوب علی زیدی (لاہور)
حضرت مولانا مفتی محمد اشرف عاطف (سعودی عرب)
محترم ڈاکٹر لیاقت علی شاہ معصومی (سکھر)
محترم حاجی محمد بلال بلوچ (قاضی احمد)
محترم ڈاکٹر عبدالرحمٰن راؤ (سرگودھا)
محترم انجینئر آفتاب احمد عباسی (کراچی)
محترم سید خالد ریاض بخاری (واہ کینٹ)
حضرت مولانا عبداللہ عابد سندھی (شکارپور)
حضرت مولانا ڈاکٹر تاج افسر (اسلام آباد)
حضرت مولانا محمد ناصر عبدالعزیز (جھنگ)
حضرت مولانا قاضی محمد یوسف (حسن ابدال)
محترم قاری محمد ایاز جدون (مانسہرہ)

پرچہ ہر ماہ کی 3 اور 4 تاریخ کو ارسال کر دیا جاتا ہے۔
ممبرشپ کی رقومات کی ترسیل بنام
”رحیمیہ لاہور“ میزان بینک قرطبہ چوک برانچ لاہور
اکاؤنٹ نمبر: 0219-0100328009 پر کریں!

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے
اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ، لاہور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ ”رحیمیہ“ رحیمیہ ہاؤس
33/A کوئینز روڈ، لاہور سے جاری کیا۔